پاپڑھیاں توں نسدا ہاں میں، پا پڑھیاں توں نسدا ہاں!
عالم فاضل میرے بھائی، پا پڑھیاں میری عقل گوائی
پاپڑھیاں توں نسدا ہاں میں، پاپڑھیاں توں نسدا ہاں!

"پاپڑھیاں" سے ہمارا خیال فوراً معین قریشی صاحب کی طرف جاتا ہے..... نجانے کیوں؟

سوانح حیات مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمتہ اللہ علیہ

مرتب: مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری / ضخامت: ۲۲۴ صفحات / قیمت: ۷۵ روپے / ناشر: جامعہ تعلیم الاسلام، ماموں کانجن، فیصل آباد۔ .

۱۳ جنوری ۱۹۵٦ء کو شام پانچ بجے، سیالکوٹ میں .... جب مولانا محمد ابراہیم میر رحمتہ اللہ علیہ کو سپرد خاک کیا جارہا تھا تو معلوم نہیں کسی کے ذہن میں میر کا یہ شعر بھی گونجا تھا یا نہیں

زنہار نہ جا پرورشِ دورِ زماں پر
مرنے کے لئے، لوگوں کو تیار کرے ہے

لیکن مرنے کے لئے کون تیار ہوتا ہے؟ کون تیار ہے؟ ہاں! کچھ لوگ ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ ہیں۔
ع.... جو جانتے ہیں موت ہے سنت رسول کی!

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی انہی لوگوں میں سے تھے۔ ۸۲ برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے نامۂ اعمال میں بے شمار و بے حساب نیکیاں تھیں۔ ظاہر بین آنکھ کے لئے تو ان کی ۸۴ کتابیں بھی بہت ہیں۔ قرآنیات، سیرت، سنت، فقہیات، تاریخ، قادیانیت، شیعیت، عیسائیت اور آریہ سماج دھرم کے حوالہ سے انہوں نے جو کچھ لکھا، جو کچھ کہا........ اس کے تذکرے اور اس کے جائزے کے لئے ہزاروں صفحات درکار ہوں گے۔ جبکہ مولانا محض "مولانا" نہیں تھے۔ تحریک پاکستان میں وہ علامہ شبیر احمد عثمانی کے ہمراہ پیش پیش تھے۔ بہت کامیاب مقرر اور بلا کے مناظر تھے۔ مسلکاً اہل حدیث تھے۔ بلکہ یکے از اکابر اہلحدیث! ان کی سوانح حیات میں شامل مولانا محمد اسحق بھٹی (زید مجدہ) کے مقالے کی یہ چند سطریں، میں آپ کو بھی پڑھوانا چاہوں گا۔ وہ لکھتے ہیں۔

"جہاں تک مجھے معلوم ہے آزادیٔ وطن سے پہلے اور اس کے بعد برصغیر پاک و ہند کے صرف دو شہروں میں دو علمائے کرام سال میں تین مہینے دورۂ تفسیر قرآن پڑھانے کا التزام کرتے تھے، اور وہ تھے لاہور میں مولانا احمد علی اور سیالکوٹ میں۔ مولانا محمد ابراہیم رحمتہ اللہ علیہم۔

یکم رجب سے رمضان کی آخری تاریخ تک یہ دونوں بزرگان عالی مقام فارغ التحصیل حضرات کو تفسیر پڑھاتے تھے، دور و نزدیک سے شائقین آتے اور ان کے درسِ قرآن میں شریک ہوتے تھے۔ اس میں فقہی مسلک کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ اہل حدیث طلبا، مولانا احمد علی صاحب سے اور حنفی طلباء مولانا محمد ابراہیم صاحب سے استفادہ کرتے تھے۔

اس زمانے کے لائق احترام اور عالی مرتبت بزرگانِ کرام تھے، جب بڑے سے بڑے عالم کو مولوی کہا جاتا تھا یا پھر زیادہ سے زیادہ ان کے نام کے ساتھ "مولانا مولوی" لکھا جاتا تھا۔ اس دور میں شاید زبدۃ العلما، عمدۃ المفسرین، قدوۃ الصالحین، رأس الاتقیا، شیخ القرآن والحدیث، امام العصر اور شیخ الاسلام وغیرہ القاب ایجاد نہیں ہوئے تھے، نہ علامہ اور فہامہ قسم کے الفاظ کبھی سننے میں آتے تھے۔ اب یہ حال ہے کہ القاب کی کثرت اور خطابات کی اکاڑمی پھاڑمی میں میرے جیسے ناواقف کے لئے کسی عالم کا اصل نام تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

پہلے پہل القاب نویسی کا آغاز بریلوی حضرات نے کیا۔ پھر یہ مرض دیو بندی مقالہ نگاروں میں آیا اور اب کچھ عرصے سے یہ متعدی بیماری بعض اہل حدیث مصنفوں اور مضمون نویسوں کو لاحق ہو گئی ہے۔ علم گھٹتا جارہا ہے اور اس کی جگہ القاب و خطابات لے رہے ہیں۔"

رنگِ سخن

جو روتے ہیں ان کو ذرا چپ کرا دو
خوشی کی کوئی بات ان کو سنا دو

مسائل کے حل کا یہی ہے طریقہ
جو بیٹھی رہے وہ کمیٹی بٹھا دو

مبارک ہو تم کو یہ اربوں منافع
مگر کارکن کی بھی اُجرت بڑھا دو

نہ سوچیں کہ مالک یہ کیا کر رہے ہیں
گرانی کے دریا میں ان کو گرا دو

ملا کر یہ تھوڑا سا زہرِ ہلاہل
انھیں تم یہ مشروبِ مشرق پلا دو

مٹانا ہے غربت کو تم نے جو تائب
غریبوں کا نام و نشاں تک مٹا دو

پروفیسر محمد اکرام تائب